پروفیسر ڈاکٹر رضا مصطفوی
کلچرل قونصلر رایزنی فرہنگی سفارت جمہوریہ اسلامی ایران۔ اسلام آباد

مدینۂ فاضلہ (شہر آرزو) اور اقبال کی امنگوں کا انسان

بیدلی گر رفت اقبالی رسید
بیدلان را نوبت حال رسید
عصر حاضر خامۂ اقبال گشت
واحدی کز صد ھزاران بر گذشت
ھیکلی گشت از سخن گوئی بپا
گفت کل العبد فی جوف الفرا
شاعران گشتند جیش تارومار
وین مبارز کرد کار صد سوار
(ملک الشعراء بہار ۱۳۲۳ء)

شاید پاکستان کے بلند مرتبہ و عالی مقام شاعر علامہ اقبال اور ایرانی امنگوں کے شاعر حکیم فردوسی کے درمیان ایک شدید مشابہت ڈھونڈی جا سکے اور ان دونوں کو پاکستان اور ایران کے معاشروں کا نجات دہندہ سمجھا جا سکے اور اس حقیقت کو قبول کیا جا سکے کہ بالکل ویسے ہی جیسے فردوسی نے اپنے شہرۂ آفاق شاہنامے اور آسمانی وملکوتی اور نجات بخش کلمات سے ایک قوم کو نابودی سے نجات دی اسی طرح مشرق کے نابغۂ روزگار اقبال نے بھی اپنے معاشرے پر ایسے ہی

عمیق اثرات مرتب کیے اور اپنے ٹوٹے پھوٹے ملک کے معاشرے میں نئی روح پھونکی اور اپنے وطن کی آزادی کی بنیاد رکھی اور اتحاد و اتفاق کا روح پرور نعرہ لگا کر نقیبِ اتحاد اور روح تعاون کے مروج بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے مجاہدے اور قابلِ قدر تعلیمات کے اثرات اپنے ملک کی سرحدوں کو پار کر گئے اور دنیا کی دوسری قوموں خصوصاً اسلامی ممالک کے اندر بھی اعلیٰ انسان اور اسلامی قدروں کا سرچشمہ بنے۔ ایرانی بھی نہ صرف ان کے بلند مرتبے سے خوب آشنا ہیں بلکہ انہیں صرف پاکستانی نہیں سمجھتے اور چونکہ ان کے آثار و اشعار کا زیادہ تر حصہ فارسی میں ہے اس لیے اسے ہم زبان، ہم مسلک ہم نژاد اور ایران سے مربوط سمجھتے ہیں۔

فردوسی کی مانند جس مدینہ فاضلہ (شہرِ آرزو) کا تصور مشرق کے یہ عظیم مصلح اپنے کلام میں تخلیق کرتے ہیں وہ بے شک خاص زاویوں اور پہلوؤں سے مخصوص قسم کی خوب صورتی اور دل کشی رکھتا ہے۔ اقبال کی امنگوں کے آئینہ دار انسان جد و جہد اور سعی کرنے والے اور فعال انسان ہیں اور وہ اپنے تئیں اس دنیا کی تکامل و تکمیل میں شریک سمجھتے ہیں۔ وہ صلح و آشتی پسند اور جنگ سے دوری کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس کا شہر ایسی خاص خوب صورتی کا حامل ہے کہ اس کی شاہراہیں، باغات اور پھلواریاں اپنی تازگی و طراوت سے نگاہوں کو خیرہ کرتی اور اس کے چراغ و قمقمے ہر طرف رنگ و نور پھیلاتے ہیں۔ یہ شہر نہایت تر و تازہ، دل کش اور خوب صورتیوں کا مرقع اور آلائشوں سے پاکیزہ ہے۔ اقبال وہاں کے انسانوں کو ہی نہیں یہاں تک کہ خالق کائنات کو مخاطب کرتا ہے اور تاریکی، دشت و بیابان کی وحشتوں اور مٹی وغیرہ کی تخلیق کا، جو اس شہر کی حسن و نیرنگیوں کو کم کر کے ان کو نقصان پہنچاتے ہیں، گلہ کرتا ہے۔ درج ذیل اشعار میں خدا اور انسان کے مابین گفتگو ملاحظہ ہو: خدا فرماتا ہے:

جہاں را زیک آب و گل آفریدم
تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولاد ناب آفریدم
تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہال چمن را
قفس ساختی طایر نغمہ زن را

اور انسان جواب دیتا ہے:

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ ازسنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نو شینہ سازم(۱)

اقبال کا انسان زحمت اور محنت شاقہ کا عادی ہے اور اس کی دنیا میں سستی، بے کاری اور کاہلی کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اور ہر شخص کو اپنی ہمت اگرچہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو کے مطابق کوشش کرنا چاہیے۔

سحر در شاخسار بوستانی
چہ خوش می گفت مرغ نغمہ خوانی
بر آور ہر چہ اندر سینہ داری
سرودی، نالہ ای، آہی، فغانی(۲)

یہ بات اہم نہیں ہے کہ اس انسان کا کلام کیا ہے، اہم بات یہ ہے کہ اسے کسی بھی کام کے لیے متعہد اور پابند ہونا چاہیے۔ اگر تیری آنکھیں ایک کو دو دیکھتی ہیں تو کوشش کر کہ نہ دیکھیں۔ اگر تو نسیم سحری ہے تو خرام سیکھ، اگر شبنم ہے تو پھول پر گر اور شبنم کے فریضے کو اچھی طرح سے سیکھ لے اور اگر کانٹا اور خار ہے تو چبھنے کا فن اچھی طرح سیکھ:

اقبال کے معاشرہ آرزو کے انسان نہ صرف یہ کہ کسی بھی خطرے سے فرار نہیں کرتے بلکہ

اس کا استقبال کرتے ہیں اور بے خطر راہوں پر چلنے کو کم ہمتوں کا شیوہ سمجھتے ہیں:

وای آن قافلہ کز دونی ہمت می خواست
رہگزاری کہ درو ہیچ خطر پیدا نیست

(کلیات ص ۲۵۴)

بہ کیش زندہ دلان زندگی جفا طلبی است
سفر بہ کعبہ نکردم کہ راہ بی خطراست

(کلیات، ص ۲۴۴)

تاریکی اور جدو جہد و مبارزے کے بنا زندگی کا کوئی مزہ ہی نہیں:

میارا بزم برساحل کہ آنجا
نوای زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلط و باموجش در آویز
حیات جاودان اندر ستیز است

اقبال کہتے ہیں:

دریا اور اس کی امواج کے مقابل ساحل کی کوئی قیمت و اہمیت نہیں چونکہ وہ ساکت ہے، متحرک نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ جب کہ موج کا ایک حقیقی وجود ہے کیونکہ اس میں حرکت اور جوش وخروش ہے:

ساحل افتادہ گفت "گرچہ بسی زیستم
ہیچ نہ معلوم شد، آہ کہ من چیستم"
موج زخود رفتۂ ای تیز خرامید و گفت
"ہستم اگر می روم، گر نروم نیستم"

اقبال کی دنیا میں مایوس بے ہدف اور ناامید انسان راستہ پا ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے شہر آرزو کے مکینوں کے دل تمناؤں اور ولولوں سے مالا مال ہیں۔ ان کے دلوں کی زندگیاں

ذوق وشوق اور تمناؤں سے لبریز اور ان کا سرمایہ آرزوؤں کے سوا کچھ نہیں اور عقل اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ آرزوؤں کے بطن سے خلق ہوئی ہے:

دل زسوز آرزو گیرد حیات
غیر حق میرد چو او گیرد حیات
چون ز تخلیق تمنا باز ماند
شہپرش بشکست و از پرواز ماند
آرزو ہنگامہ آرای خودی
موج بیتابی ز دریای خودی
زندہ را نفی تمنا مردہ کرد
شعلہ را نقصان سوز افسردہ کرد
عقل ندرت کوش و گردون تاز چیست؟
ہیچ میدانی کہ این اعجاز چیست؟
زندگی سرمایہ دار از آرزو ست
عقل از زائیدگان بطن اوست

(کلیات، صف ۱۳ و ۱۴)

زندگی جستجو اور جدو جہد سے عبارت ہے جبکہ اس جستجو کا ماخذ آرزوئیں اور تمنائیں ہیں۔ آرزو اس کائنات کی جان ہے۔

خاک ہمدوش ثریا می شود[۴]

انسانی خون کی گرمی سے لے کر عالم کی روشنی و گرمی حیات سبھی نقش آرزو ہیں۔ مجموعی طور پر جو چیز بھی حسین وجمیل ہو وہ آرزو کی خالق ہے:

گرم خون انسان ز داغ آرزو   آتش این خاک از چراغ آرزو
از تمنای بہ جام آمد حیات   گرم خیز و تیز گام آمد حیات

ازچہ رو خیزد تمنا دمبدم؟ این نوای زندگی را زیروبم
ہرچہ باشد خوب و زیبا و جمیل در بیابان طلب مارا دلیل
نقش او محکم نشیند در دلت آرزو ہا آفریند در دلت
حسن، خلاق بہار آرزو ست جلوہ اش پرور دگار آرزو ست(۵)

اقبال کے مدینہ فاضلہ (شہرِ آرزو) کے انسانوں کی زندگی اس خاکی دنیا کی زندگی سے مختلف ومتفاوت ہے۔ اقبال نے زندگی کی جو تصویر دکھائی ہے وہ خاکیوں تک کو وجد اور عالمِ شوق میں لا کھڑا کرتی ہے:

زندگی در صدف خویش گہر ساختن است در دل شعلہ فرو رفتن و نگداختن است
عشق از این گنبد در بستہ برون تاختن است شیشہ ماہ ز طاق فلک انداختن است
مذہب زندہ دلان خواب پریشانی نیست از ہمین خاک جہان دگری ساختن است(۶)

اقبال کے شہرِ آرزو میں شعر و کلام کا ایسا بلند مقام ہے کہ شاعر کو اس معاشرے کی دل کی حیثیت حاصل ہے اور وہ قوم جو شاعر جیسی نعمت سے محروم ہو نہ فقط شکوہ و عظمت نہیں رکھتی بلکہ اس کی اہمیت مٹی کے تودے سے زیادہ نہیں ہے۔ شعر مقصود اور مراد تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ درحقیقت شاعر لوگوں کو پستیوں، اخلاقی رزالتوں اور گمراہیوں سے نجات بخشتا ہے اور انہیں اعلیٰ وارفع اور روحانی صفات کی طرف لے جاتا ہے اسی لیے اس کا وجود پیغمبرانہ سیرت کا حامل اور وہ وارث انبیا ہوتا ہے۔

فطرت شاعر سراپا جستجو ست خالق و پرورد گار آرزو ست
شاعر اندر سینہ ملت چو دل ملت بی شاعری انبار گل
سوز و مستی نقشبند عالی ست شاعری بی سوز و مستی ماتمی ست
شعر را مقصود اگر آدم گری است شاعری ہم وارث پیغمبری است

یہاں تک کہ دلوں کی دھڑکن اسی سے ہے۔ وہ خاک کو پرواز کی طاقت بخشتی ہیں اور اسے اوجِ ثریا پر پہنچا دیتی ہیں۔ دلوں کو توانائی و گرمی پہنچاتی اور اس کی شعاعیں ہمیں نور بخشتی

ہیں۔ چنانچہ یہ تمام اہداف و مقاصد کے لیے کمند کا کام کرتی ہیں اور افعال و اعمال کی کتاب کی شیرازہ بندی اسی سے ہے:

زندگانی رابقا از مدعا ست
کاروانش رادرا از مدعا ست
زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اور در آرزو پر شیدہ است
آرزو رادر دل خود زندہ دار
تانگرد دمشت خاک تو مزار
آرزو جان جہان رنگ و بو ست
فطرت ہر شی امین آرزو ست
ازتمنا رقص دل درسینہ ہا
سینہ ہا از تاب او آئینہ ہا
طاقت پرواز بخشد خاک را
خضر باشد موسی ادارک را
آرزو صید مقاصد را کمند
دفتر افعال راشیرازہ بند
عشق راز تیغ و خنجر باک نیست
اصل عشق از آب و بادو خاک نیست
ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم
ازشعاع آرزو تابندہ ایم
دل زعشق او تو انامی شود

وہ چاہتا ہے کہ شعر کے ذریعے قوم کے اندر احساسات کے شعلے بھڑکا دے تا کہ وہ

بے دار ہو جائے اور سوئی ہوئی نہ رہے۔ وہ درحقیقت شعر و ادب اور فن کو زندگی کا مکمل کندہ سمجھتا ہے۔ وہ فنکار اور شاعر کو خلق خدا کے لیے بہترین مصلح اور رہنما سمجھتا ہے۔ وہی فنکار اور شاعر خلقِ خدا کے لیے بہترین مصلح اور راہنما ہو سکتا ہے جو کہ اپنے اعلیٰ بیانات اور اظہارات سے معاشرے میں بہترین رول ادا کرے۔ انسان کی زندگی کی اساس اور بنا اس کی تمنائیں ہوتی ہیں اور یہی تمنائیں اس دنیا میں اچھی چیزوں کو وجود میں لاتی ہیں۔ اسی بنا پر حسن و جمال آرزوؤں اور تمناؤں کا خالق ہوتا ہے۔ جب کہ شاعر کا دل ان خوب صورتیوں کا مرکز ہوتا ہے۔

سینہ شاعر تجلی زار حسن   خیزد از سینای او انوار حسن
از نگاہش خوب گردد خوب تر   فطرت از افسون او محبوب تر
از دمش بلبل نوا آموخت است   غازہ اش رخسار گل افروخت است
سوز اور اندر دل پروانہ ہا   غازہ اش رخسار گل افروخت است
سوز او اندر دل پروانہ ہا   عشق را رنگین از او افسانہ ہا
بحر و بر پوشیدہ در آب و گلش   صد جہان تازہ مضمر در دلش
خضر و در ظلمات او آب حیات   زندہ تر از آب چشمش کائنات
کاروانہا از در ایش گامزن   در پی آواز نالش گامزن (۷)

اقبال کا یہ اعتقاد ہے انسان کی اندرونی دنیا کے اسرار اور مکنونات کو برملا اور ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے ملتوں کو بے دار، آگاہ کرنے اور متحد کر کے منظم کرنے میں نہایت مثبت اور تعمیری کردار ادا کر سکتا ہے۔

نغمہ کجا و من کجا؟ ساز سخن بہانہ ایست
سوی قطار می کشم ناقہ بی زمام را

(کلیات:۱۳۲)

اقبال کا کہنا ہے: کسی معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم فکر، ہم اندیشہ اور متحد رہنا چاہیے اور کسی بھی ملت کی طاقت ان کے اتحاد میں ہے جب کہ پراگندگی اور تفرقہ اس کی

تضعیف کے سبب ہیں۔

ای اسیر رنگ پاک از رنگ شو   مؤمن خود کافر افرنگ شو
رشتہ سودو زیان در دست تست   آبروی خاوران در دست تست
ای کہن اقوام راشیرازہ بند   رایت صدق و صفارا کن بلند
رای بی قوت ہمہ فکر و فسون   قوت بی رای جہل است و جنون
اہل حق را زندگی از قوت است   قوت ہر ملت از جمعیت است

اقبال کے معاشرے کے امنگوں والے انسان کی بعض دوسری صفات میں شجاعت اور مردانگی شامل ہے اور اس کی رائے یہ ہے کہ شیر کی ایک لمحے کی زندگی گائے کی سو سالہ زندگی سے بہتر اور اس پر قابل ترجیح ہے۔

زندگی راجیست رسم و دین و کیش
یک دم شیری بہ ازصد سال میش

اقبال کے شہر آرزو کے انسان زیور ادب سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں۔ علم و دانش بھی اپنی تمام تر قدر و قیمت کے باوجود ادب کے ہمراہ نہ ہو تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

ادب پیرا یہ نادان و داناست
خوش آن کو از ادب خود رابیا راست
ندارم آن مسلمان زادہ را دوست
کہ در دانش فزو دو از ادب کاست

اقبال کے مطلوبہ انسانوں کو اپنے اوپر اعتماد ہوتا چنانچہ انہیں دوسروں سے مدد کی توقع نہ کرنا چاہیے:

تراش از تیشۂ خود جادہ خویش
بہ راہ دیگران رفتن عذابست
گر از دست تو کار نادر آید
گناہی ہم اگر باشد ثوابست

اقبال کی تمناؤں کے مرکز معاشرے کے لوگ مسلمان ہیں اور اپنے دین پر استوار و قائم! اقبال کی جہاں شناسی میں اسلام کا بلند و بالا حیات بخش مکتب اپنی تمام خصوصیات، اعلیٰ اور کامل صفات کے ساتھ انسانیت کی طوفان زدہ اور متلاطم موجوں میں گھری کشتی کو ساحل مراد تک پہنچانے کا اہل ہے۔

اقبال کی نگاہ پر بصیرت میں پیغمبر اسلام کی بلند و عظیم شخصیت انسان کامل ہے اور فقط ان کے احکام اور فرمودات وارشادات سے ان کی امت توفقیات الٰہی سے ہم کنار ہوسکتی ہے۔

ہر کہ عشق مصطفیؐ سامان اوست
بحر و بردر گوشہ دامان اوست
روح راجز عشق او آرام نیست
عشق او روزی است کو راشام نیست

وہ تمام فضائل جو اقبال اپنی مدینہ فاضلہ (شہر آرزو) کے لیے ضروری سمجھتے ہیں ان کا حصول صرف دین مبین اسلام میں امکان پذیر ہے کیونکہ ان کی نگاہ میں اسلام ہی کا نظام اپنے معتقدین کو سعادت کی منزل تک پہنچا سکتا ہے۔

امت مسلم ز آیات خدست
اصلش از ہنگامہ قالو بلی است
از اجل این قوم بی پرواستی
استوار از نحن نزلناستی

اقبال کی رائے یہ ہے کہ فکری غلامی واسیری کا خطرہ ہر نوع کی سیاسی اور اقتصادی اور دیگر غلامیوں سے زیادہ ہے اور اسی بنا پر فکر واندیشہ کی پاکیزگی وطہارت کی اہمیت کو ہر دوسری چیز پر فوقیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس کے مطلوبہ شہر آرزو کو ہر فکری غلامی سے آزاد رہنا چاہیے۔

فکر شرق آزاد گرد داز فرنگ
از سرو دمن بگیرد آب و رنگ

زندگی از گرمی فکر است و بس
حریت از عفت فکر است و بس
چون شود اندیشہ قومی خراب
ناسرہ گرد دبہ دستش سیم ناب
پس نخستین بایدش تطہیر فکر
بعد از آن آسان شود تعمیر فکر

(کلیات: ص ۳۹۱)

ان کا یہ نظریہ ہے کہ جو شخص خود کو رنگ و بو (عالم مادیات) کا اسیر و غلام بنا لے اس کے دل کی تمام آرزوئیں اور شوق مر جاتے ہیں اور جو بھی عالم خاک و مادہ کی آلودگی میں گرفتار ہو جائے وہ روحانیت کی دنیا سے کٹ جاتا ہے:

کسی خود را اسیر رنگ و بوکرد   تھی از ذوق وشوق و آرزو کرد
صفیر شاہبازان کم شناسد   کہ گوشش باطنین پشہ خو کرد

اقبال کے مدینہ فاضلہ میں عبودیت و غلامی کا کوئی وجود نہیں۔ وہاں سب انسان آزاد اور حر ہیں۔ وہ ایسے انسان ہیں جنہوں نے رسوم بندگی و غلامی کو توڑ ڈالا ہو اور طائر ایام کو قید کر لیا ہو اور ان کی ہمتیں قضاؤں سے سرگوشیاں کر کے حادثات کو اپنے ہاتھوں ظہور میں لاتے ہیں۔

نکتہ ئی می گویمت روشن چو در   تاشناسی امتیاز عبد و حر
عبد گرد دیا وہ درلیل و نہار   در دل حریا وہ گردد روز گار
عبد از ایام می بافد کفن   روز و شب رامی تند برخویشتن
مردم حر راز گل برمی کند   خویش رابر روزگاران می تند
عبد چون طایر بدام صبح و شام   لذت پرواز بر جانش حرام
سینۂ آزادہ چابک نفس   طایر ایام راگردد قفس
عبد را تحصیل حاصل فطرت است   واردات جان او بی ندرت است

ازگران خیزی مقام او ہمان — نالہ ہای صبح و شام او ہمان
دمبدم نو آفرینی کار حر — نغمہ، پیہم تازہ ریزد تار حر
فطرتش زحمت کش تکرار نیست — جادہ ی او حلقۂ پرگار نیست
عبدرایام زنجی است و بس — برلب اوحرف تقدیراست وبس
ہمت حربا قضا گردد مشیر — حادثات ازدست وصورت پذیر
رفتہ و آیندہ در موجود او — دیرہا آسودہ اندر زور او(۸)

اقبال کی آرزوؤں اور امنگوں کا مظہر انسان نہ صرف بدبخت اور بے دست و پا نہیں ہوتا بلکہ پیدائش ہی سے انتہائی اہم ذمے داری کا حامل ہوتا ہے اور اس قسم کے انسان کو اپنا اتنا اہم مشن اور فریضہ ادا کرنے میں کسی قسم کی غفلت روا نہیں رکھنا ہوگی۔ وہ پیامِ مشرق میں میلادِ آدم کے متعلق یوں گویا ہیں:

نعرہ زد عشق کہ خونین جگری پیدا شد — حسن لرزید کہ صاحب نظری پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور — خود گری، خود شکنی خود نگری پیدا شد
خبری رفت زگردون بہ شبستان ازل — حذر ای پردگیان، پردہ دری پیدا شد
آرزو بی خبر از خویش بہ آغوش حیات — بہ چشم وا کرد و جہان دگری پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر — تاازین گبند دیرینہ دری پیدا شد(۹)

پاورقی:

۱۔ کلیات اشعار فارسی اقبال ہمراہ مقدمہ احمد سروش، انتشارات کتابخانہ سنائی، تہران ۱۳۴۳، ص ۲۲۸۔
۲۔ کلیات، ص ۱۹۵۔
۳۔ کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، ہمراہ مقدمہ احمد سروش، ۱۳۴۳، ص ۲۲۸
۴۔ کلیات اقبال، ص ۲۵
۵۔ کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال انتشارات کتابخانہ سنائی، ص ۴۶-۴۵۔

۶۔ اقبال شرق ص ۷۷۔
۷۔ کلیات سروش، ص ۵۰۱
۸۔ کلیات اشعار فارسی، سروش ص ۲۱۵۔

ماٰخذ:

۱۔ خودی و رموز بی خودی دکتر محمد حسین مشایخ فریدنی، انتشارات بنیاد فرہنگ ایران ۱۳۵۸ ھ ش
۲۔ اقبال شرق، عبدالرفیع حقیقت، انتشارات بنیاد نیکوکاری نوریانی۔ تہران ۱۳۵۷ ھ ش
۳۔ اقبال شناسی، سید غلام رضا سعیدی، انتشارات بعثت، ۱۳۳۸ ھ ش
۴۔ اقبال لاہوری شاعر پارسی گوی پاکستان، مجتبیٰ مینوی، تہران، ۱۳۲۷ ھ ش
۵۔ اقبال معمار تجدید بنای تفکر اسلامی دکتر علی شریعتی، نشر امامت ۱۳۵۲ ھ ش
۶۔ اقبال نامہ، چند نویسندہ، معاصر ضمیمہ مجلۂ دانش، تہران ۱۳۳۰ ھ ش
۷۔ درشناخت اقبال (مجموعہ مقالات کنگرہ جہانی بزرگ داشت علامہ اقبال لاہوری، تہران ۱۳۶۴ ھ ش
۸۔ رومی عصر (شرح احوال علامہ اقبال شاعر ملی پاکستان)، خواجہ عبدالحمید عرفانی، کانون معرفت مقدمہ استاد سعید نفیسی
۹۔ زندگی نامہ محمد اقبال، دکتر جاوید اقبال، ترجمہ دکتر شبین وخت کامران مقدم ۱۳۶۲ ھ ش
۱۰۔ کلیات اشعار فارسی اقبال لاہوری (مقدمہ احمد سروش) انتشارات کتابخانہ سنائی، تہران ۱۳۴۳ ھ ش
۱۱۔ نقش اقبال در آدب پارسی ہندی، سید مظفر حسین برنی، ترجمہ مہدی افشار وزارت ارشاد اسلامی، ۱۳۶۴ ھ ش۔
۱۲۔ نقش اقبال در ادب پارسی ہندی، سید مظفر حسین برنی، ترجمہ مہدی افشار وزارت ارشاد اسلامی، ۱۳۶۴ ھ ش۔

☆☆☆